ڈاکٹر شمس الدین احمد۔ صدر شعبۂ فارسی

محمد رضا مشتاق کشمیری

قسط ۲

مذہب: محمد رضا مشتاق اہل سنّت و جماعت میں سے تھا۔ تاہم اُس نے حضرت علی مرتضیٰ[کرم] اور دوسرے گیارہ اماموں کی مدح میں بہت خوبصورت قصیدے لکھے ہیں۔

اہل تشیّع اور اہل سنت و جماعت کے مابین عقاید و آرا کے اختلاف کی موجودگی کی وجہ سے ان دو مسلمان فرقوں کے درمیان ماضی میں دشمنیاں اور جھگڑے سر اُٹھاتے رہے ہیں۔ ہمارے شاعر کے زمانے میں یہ اختلافِ رائے تاسّف انگیز شدّت اختیار کر چکا تھا[1] اور مشتاق نے بڑی دلسوزی سے مذہبی تعصّب سے بلند ہو کر اصحاب و یارانِ نبیؐ کے مساوی احترام و اکرام میں اور بالخصوص حضرت علی کرم اور ان کی اولاد مطہّرہ کی مدح میں قصائد لکھ کر ہندوستان کے اس خطے میں فرزندانِ اسلام کے درمیان وحدت و یگانگت برقرار رکھنے میں بڑی کوشش کی اور یوں ان اختلافات کو سرے سے ہی ختم کر دینے میں اہم رول ادا کیا۔ جو مدحیہ قصائد مشتاق نے حضرت علی مرتضیٰ کرم اور اُن کی اولاد کی شان میں لکھے ہیں ان کے جوش و جذبہ اور عقیدت و ارادت کو دیکھتے ہوئے مشتاق کے شیعہ ہونے کا گمان گزرتا ہے اور بادیٔ النّظر میں ہر اُس شخص کے لئے جو مشتاق کے مذہبی میلان سے اچھّی طرح آشنا نہ ہو اُس کا شیعہ ہونا متعین ہو سکتا ہے۔ یہاں تک کہ اپنے مکمل قصیدے میں انہی پیشوایانِ اسلام کی مدح میں لکھتے ہیں۔ اپنے ایک قصیدے میں حضرت علی کرم کی مدح اس طرح کی ہے :-

گنجہائے گہر م مدحتِ شاہنشاہ است — کہ بہ بخشد دو جہاں را وکند بازحیا
چہ شہنشاہ امام دو جہاں مطلب کن — کہ ز خاکِ قدمش چشمِ فلک یافت ضیا
چہ امام دو جہاں آئینۂ جلوۂ قدس — کہ دلش مشعل طور است ز بس نور و صفا
وہ چہ آئینہ کہ بی کام و زباں طوطی قدس — شدہ در منقبت جوہر پاکش گویا
وہ چہ جوہر کہ بتکریم خداوند عظیم — خلعت نام خودش دادہ ز بس عز و علا

[1] ملاحظہ ہو تاریخ حسن ج ۲ ص ۵۳۶، ۵۴۰، ۵۴۷، ۵۷۹، ۵۸۰
واقعات کشمیر ص ۱۶۵، ۱۷۵، ۲۱۱، ۲۳۱۔

Scanned with OKEN Scanner

چہ علیؑ محرمِ خلوتکدۂ رازِ نہاں | چہ علیؑ ماہِ فروزانِ شبِ او ادنیٰ
چہ علیؑ عالمِ اندازۂ صنعِ بیچون | چہ علیؑ واقفِ تحت السمک و فوق السما۔
چہ علی بامت رحمت چہ علی راہِ نجات | چہ علی بازوئے احمد چہ علی شبیرِ خدا
چہ علی صورتِ غفراں چہ علی معنیٔ عفو | چہ علی عینِ عنایت چہ علی محضِ حیا
مسند آرای نبیؑ زینتِ ایوانِ بتولؑ | خاتمِ فیضِ امامت گہرِ تاجِ ولا

حضرت علی کرم کے ساتھ اس کے عشق اور عقیدت کا اظہار اس کی غزلوں میں بھی کہیں کہیں ہوا ہے ؎

ہوائے خواجگی ار ہست در سرت مشتاق | بجان غلامِ نبیؑ و ولی و عترت باش
کہ دلم مشتاق آب از چشمۂ حیوان خورد | بادہ از جامِ ولای شاہِ مرداں می کشم
نیست پروائے فنا مشتاق را کاوردہ است | از کرہ بیابانِ بقا باہر حیدر سر بیرون
غمیں مباش بہ خاک از افتادہ ی مشتاق | کہ دستِ عاطفت بوتراب بر دارد

بارہ اماموں کے بارے میں اپنی عقیدت کا اظہار یوں کیا ہے :۔

بخواب دوش بہ رضوانِ خلد بر خوردم | سوال کردہ ام و گفتمش کہ اے خجستہ مقام
بگو و مشکلِ من حل نمائی کان یک چیز | کہ ہم حلال بود و ہم حرام ہست کدام؟
در بہشت بہ رویم کشود و گفت این است | کہ شد بہ آلِ علی دوستاں حلال مدام
کسی کہ دشمنِ اثنی عشر ز بد گہریست | یقین شناس کہ بی گفتگو بر اوست حرام

بارہ اماموں کی شان میں جو قصاید مشتاق نے لکھے ہیں وہ اس طرح سے شروع ہوتے ہیں :۔

حضرت امیر المومنین علی مرتضیٰ کرم

عندلیبِ گلشنِ یزداں امیر المومنین | مصطفےؐ را دوستدار از جان امیر المومنین

حضرت امام حسن علیہ السلام :

پیشوائے دین حسنؑ آن خسروِ گردوں جناب | خاکِ راہش توتیای چشمِ ماہ و آفتاب

حضرت امام حسین علیہ السلام :

می تراشم شاخِ نخلِ طور را بہرِ قلم | تا کنم مدحِ شہنشاہِ دو عالم را رقم
بادشاہِ دین و دنیا خسروِ گردوں سریر | نورِ چشمِ مصطفےٰ یعنی حسینِ محتشم

حضرت امام زین العابدینؑ :

ہر کرا شد نامِ زین العابدین وردِ زبان | از بزرگی عرش را نامش نگنجد بر زبان

حضرت امام محمد باقرؑ :

حضرت باقر کہ مے نازم ز جانش دوست تر | گرد نعلینش مرد خورشید را کحل البصر

حضرتِ امام جعفر صادقؑ :

جعفر صادق کہ مثلِ اوست در عالم عدیم | ذاتِ پاکش مظہرِ اوصافِ رحمان و رحیم

حضرتِ امام موسیٰ کاظمؑ :

موسیٰ کاظم سریر آرائے ہفتم بارگاہ | آستانش از علوئے قدر گردون اشتباہ

حضرتِ امام علی موسیٰ رضاؑ :

شہ سوارِ عرصۂ دین شافعِ روزِ جزا | نوبہار گلشن ایمان علی موسیٰ رضا

حضرتِ امام محمد تقیؑ :

فخر نزدیکاں تقی شایان قربِ ذوالجلال | محرمِ بزمِ نقیبِ شمعِ شبستانِ وصال

حضرتِ امام محمد نقیؑ :

منبعِ احسان نقی آن خسروِ عالی مقام | آنکہ شاہانند بر درگاہِ او کمتر غلام

حضرتِ امام محمد عسکریؑ :

عسکری آں نوبہار گلشنِ خلقِ حسن | مظہرِ ذات و صفاتِ کردگارِ ذوالمنن

حضرتِ امام مہدی الہادیؑ :

حجتِ حق مہدی ہادی امامِ روزگار | ساقیٔ بزمِ کرامت باقیٔ ہشت و چہار

خلفای راشدین کی نسبت بھی مشتاق نے اسی حرارت و عشق و محبت اور خاص عقیدت و ارادت و شوق و وجد کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ اور کہا ہے کہ ازل سے ہی ہر چہار خلفا کی محبت میری قسمت میں سما رہی ہے ؎

مہر شاں جانِ دگر در تنِ افسردہ امید | گرچہ بر لوحِ دلم ز ازل گشتہ رقم

حضرتِ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ :

پیر اصحاب ابوبکر کہ بر گردنِ کفر | راند از صدق و صفا تیغ صفت تیغ دو دم

اول آنکس کہ قدم در رہِ اسلام نہاد | بود آں مفخرِ اصحاب و سرافرازِ امم

دوستداران بجان و دل صدیق ہمہ | شاد در روضۂ رضوان بخرامند بہم

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ :

پس ازو پیشرو کافۂ اسلام عمر | کہ ازو شعائر دین گشت بنایش محکم

شاہ کونین ازاں داد خطابش فاروق | کہ جدا کرد زہم دانش او عدل و ستم

کرد با مشعلۂ عدل جہاں را روشن | ساختن آئینۂ دین را پاک ز زنگِ ظلم

مہر وزان وی گرمی خورشید بحشر — ہمہ در سایہ لطفش زدہ باشند خیم

حضرت عثمان ذو النورین رضی اللہ عنہ :

بعد ازان حضرت عثمان کہ زبس شرم و حیا — بود چون شاخ ثمردار سرش دایم خم
داد ترتیب ز آگاہی دل قرآن را — ہم بران کرد فدا جان سعادت توأم
علم و حلمش چو مہ و مہر ز اوج گردون — پرتو افشان شدہ بر لیس و نہار عالم
سبزہ آرزوی عفو ہوا خواہانش — باشد از ابر شفاعت گری او خرم

حضرت علی مرتضی کرم اللہ وجہہ :

زین سپس شیر خدا میر ہدی سرور دین — رہبر خلق علا شاہ عرب ماہ عجم
جامع فضل و کمال و ادب و علم و عمل — واقف راز نہان ستر مگو را محرم
آنکہ بر صفحہ اکرام ز روی نسبت — با نبی بود یکی ہمچو دو حرف مدغم
خوان اخلاص محبان علی و آلش — باشد از رحمت بی غایت حق پر ز نعم

حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے چار یاروں کے رتبے کے بارے میں مشتاق نے اپنے راسخ اعتقاد کو اپنی ایک رباعی میں اس طرح پیش کیا ہے :-

یاران نبی کہ مظہر ایمانند — ہر چار ز جام معرفت مستان اند
بر پنجہ دین رسولؐ انگشت نر است — و آن چار بجای دگر انگشتان اند

خلفای راشدین سے اپنی عقیدت و ارادت و اعتقاد کے بارے میں مشتاق قسم کھا کر کہتا ہے کہ :-

مہر ہر چار کسی را کہ نباشد در دل — راندۂ ہر دو جہان باد چو ابلیس دژم
احمد مرسلؐ و اولاد وی و اصحابش — دوستدار ہمہ ہستم بخدا وند قسم
ہر کہ باور نکند این قسم از حقد و حسد — در سقر باد باغلال و سلاسل محکم

حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی اولاد مطہرہ پر درود و سلام بھیجتے وقت اصحاب رسولؐ پر بھی درود و سلام بھیجتا ہے :

نفس نفس صلوات و سلام بیش از حد — ز ما بروح نبیؐ و بہ آل و بہ اصحاب

سیرت و اخلاق :

مشتاق ایک دیندار، متقی اور پاک دل آدمی تھا۔ عادت نشینی اور تنہا پسندی کی وجہ سے وہ استغنا اور معرفت نفس کے صفات سے متصف ہو چکا تھا۔ اپنی خودشناسی کے موتی کی جس آبرومندانہ وضع سے اس نے حفاظت کی تھی وہ واقعی قابل ستایش ہے۔ شاہانہ سطوت و اقتدار کے دور میں جبکہ اکثر

[1] خواجہ محمد اعظم دیدہ مری جو مشتاق کا ہمعصر تھا، نے بھی ان ہی اشعار کو مشتاق کے سُنی ہونے پر بطور دلیل پیش کیا ہے۔ رجوع ہو واقعات کشمیر، ص ۲۸۲

Scanned with OKEN Scanner

میں مکمل ایمان ہونے کی حالت سے وہ ہرگز کسی جابر یا ظالم بادشاہ کے آگے سرِ تسلیم خم نہیں کر سکتا۔ یہی وہ آدمی ہے جو ظالم کے لئے تلوار اور مظلوم کے لئے مہربان بن جاتا ہے ؎

بترس از انتقامِ آہ عاجز مور اگر باشد —— مدہ تن در زبونی دشمنت مغرور اگر باشد
خاکساران را چو نقش پای فرش راہ مشو —— بر سرِ گردنکشان مشتاق چون شمشیر باش

مشتاق کی اس پاکیزہ سیرت کا ایک پہلو اس کی راست گوئی ہے جو خودشناسی کا ایک منطقی نتیجہ ہوتی ہے۔ وہ آدمی جو خودشناس ہو اور شرفِ نفس کو دنیا کی گرانبہاترین متاع سمجھتا ہو، دنیوی مال و منال اور جاہ و حشمت کو اپنے ذاتی وقار اور علوِ نفس کے مقابلے میں ہیچ سمجھتا ہو اور توکل و قناعت کے ساتھ کسبِ حلال کے ذریعہ سے روزی کماتا ہو وہ ہر قسم کے رذایل مثلاً بغض و حسد، کینہ اور دروغ و دغا بازی سے بالاتر ہو کر پاکیٔ قلب، راست روی، نرم خوئی، نرم دلی، انکساری، راستگوئی اور ضعیفوں پر رحم کرنے جیسی پاکیزہ صفات کا حامل بن جاتا ہے۔ مشتاق کی سیرت ان ہی بلند انسانی صفات کا مجموعہ تھی۔ اس نے حق گوئی کو اپنا شعار بنا لیا تھا اور سچ بات کہنے سے مصلحتاً بھی کبھی خاموش نہیں رہتا تھا۔ اس کے نزدیک حق گوئی ایک ایسی سپر ہے جو ہر مصیبت و بلا کو روک دیتی ہے اور ایک وسیلہ ہے جس سے ہر آدمی کے دل میں گھر کیا جا سکتا ہے۔ کہتے ہیں ؎

میتوان از راستی جا کرد در دلهای خلق —— این نوا آمد بگوشم از نیِ تیر کسی
از راستی خویش برون پا نگذارم —— چون شمع گر از تیغ بگیرند سرم را
راستی کن پیشہ ایمن باش از تیغ بلا —— شمع را جان بخشی دیگر بود گردن زدن
ریشہ نخل زبان آب از دل ما میخورد —— راستی شمعی بود در محفلِ گفتارِ ما

صفای سینہ اور پاکیزگیٔ قلب مشتاق کی نظر میں ایک طلسم کی مانند ہیں جو دشمن کو دوست بنا دیتی ہے۔ مشتاق کا دل کینہ و حسد سے پاک تھا اور وہ صلح و آشتی اور انسان دوستی کا قایل تھا۔ ایک پاکیزہ قلب کے مقابلے میں کوئی بھی چیز اس کے آگے ذی قیمت نہیں تھی کیونکہ اس کا اعتقاد تھا کہ ایک پاک و صاف دل رکھنے والا آدمی ناقابلِ تسخیر بن جاتا ہے۔ ؎

لشکرِ بینگِ دو عالم عاجز از تسخیر اوست —— ہر کہ چون مشتاق آمد در حصارِ آشتی
بہ نیک و بد ہمہ صاف است سینۂ مشتاق —— مگر ز صبحِ دوم کردہ اند تخمیرش
کی بود در سینۂ من جای بر جا کینہ را —— دادہ ام از موجِ صفای دل بآب آئینہ را
ز فیضِ سینۂ صافی صلحِ کل با دشمنان دارم —— کبوتر گر شوم در چشمِ شاہین آشیان دارم

مشتاق کی اسی پاکیزگی قلب اور راست روی کی وجہ سے اس کے گرد دوستوں کا ایک گروہ جمع ہوگیا تھا اور وہ اُن کے ساتھ خوشگذرانی سے وقت گذارتا تھا، مشاعرے ترتیب دیتا تھا۔ اور وہ سرود و شادمانی کی محفلیں منعقد کرتا تھا اور اُن کی فرمایشوں پر نئے نئے موضوعات اور زمینوں میں غزلیں بھی لکھتا تھا ؎

در زمین شعر مشتاق سخن گو این غزل — رنگ گلشن از برای خاطر احباب ریخت

زین زمین که از رویش داغ پشت طاؤس است — بهر دوستان مشتاق رنگ رنگ گل چیدم

مشتاق پی نوشته مرغان سخن فهم — پاشید درین تازه زمین دانه بهمه رنگ

اپنے دوست احباب کے ساتھ بڑی مہربانی سے پیش آتا تھا اور دوستی کا حقیقی معنوں میں اُن سے اظہار کرتا تھا اور اُن کے خواہشات کو اپنے ذاتی خواہشات پر مقدم سمجھتا تھا؛

از رفیقان موافق پیش رفتن الٰهی است — منتظر در راه یاران چو پای پیش باش

اور اُن کے دُکھ درد کو اپنا دُکھ درد سمجھتا تھا چنانچہ دوستوں کی موت پر اس قدر دل آزردہ اور رنجیدہ خاطر ہوجاتا تھا کہ اُن کے فراق کی سختی کی وجہ سے اپنی موت کی آرزو کیا کرتا ؎

مشتاق دوستان همه از هم جدا شدند — وقت است وقت گر تو هم از خود جدا شوی

لیکن افسوس کہ شاید اس کے دوست یاران موافق نہ تھے۔ اُن کو "یارانِ منافق" کا خطاب دے کر اس نے ایسے دوستوں سے کنارہ کشی اختیار کرنے کی تلقین کی ہے۔ وہ ان دوستوں کی سرد مہری اور منافقانہ روش سے شاکی ہے ؎

گله مشتاق ندارد از عدو یک رنگ — گله از صحبت یاران منافق دارد

زبسکه خونبها گردیده بیچو برف سفید — چو سرد مهران گرمی نمیکنند احباب

همدمی صورت نه بست از آشنایان بعد ازین — در بروی معنی بیگانه وا خواهیم کرد

مشتاق ایک خوش طبع، خوش قلب شاعر اور طبعی لطافت کے حامل تھے۔ اس کے اشعار میں جو خاص رنگینی اور شگفتگی پائی جاتی ہے وہ اس کی خوش طبعی کی نشان دہی کرتی ہے۔ شاید کشمیر کے سحر آفرین نظاروں کا اس میں دخل ہو۔ کہتے ہیں کہ مشتاق نے اپنے لئے ایک خوب صورت اور زیبا و حسین مکان بنوایا تھا۔

صاحب سفینۂ ہندی کہتا ہے:

"........ خانه بسیار لطیف و پاکیزه ساخته بود....." [1]

مُلّا خلیل مرجانپوری کا کہنا ہے:

---

[1] سفینۂ ہندی خوشگو ص ۸۲

"......وضع آراستہ و خاطر آزاد بہم رسانیدہ بود......"[1]

صبحِ گلشن کے مصنّف کا کہنا ہے:

"...... در نفاستِ طبع و لطافتِ مزاج و صفای منزل و مجلس با وجود عسرت و پریشانی بینظیر وقت بود......"[2]

لیکن اس خوش طبعی کے باوجود مشتاق ایک ایسا دل رکھتا تھا جس سے مہر و محبت اور شفقت و مروت اور ترحم و جوانمردی کی موجیں اٹھتی تھیں۔ اگر ایک طرف اس کا عقیدہ تھا ؎

برسرِ گردنکشاں مشتاق چون شمشیر باش (یا) مدہ تن در زبونی دشمنت فغفور اگر باشد

تو دوسری طرف محتاجوں کی دستگیری، فقیروں کی حاجت برآری اور تواضع پسندی پر مکمل ایمان بھی رکھتا تھا۔ ایک شکستہ دل آدمی کے قلب سے نکلنے والی آہ سے بچنے اور تسبیح گردانی کے مقابلے میں ایک غمزدہ دل کی حاجت برآری مشتاق کے نزدیک کافی اہمیت و مقام کے حامل تھے ؎

سبحہ گردانی ندارد کار یک جان خستہ را ... دل بدست آور گرت از دست کار آید برون
شد حصارِ عافیت مشتاق را افتادگی ... چرخ کی از عہدۂ این خاک را آید برون
بترس از انتقام آہ عاجز مور اگر باشد ... مدہ تن در زبونی دشمنت فغفور اگر باشد

ایک ایسے رؤف و مہربان دل رکھنے کے باوجود مشتاق ہمیشہ رحمت و عفو الٰہی کے خواہاں تھے۔ باوجود اس کے کہ وہ ایک پاکیزہ قلب اور نیک افکار و خیالات کا مالک تھا وہ اپنے آپ کو گناہوں کے زیر بار سمجھ کر ایک عاصی و زیاں کار بندے کی طرح عاجزی و انکساری کے ساتھ خدای بزرگ سے مغفرت و عفو اور بخشایش و عطای رحمت کا طلب گار رہتا تھا ؎

شست و شوی ابر رحمت را دریغ از من مدار ... زانکہ از لوث گنہ آلودہ دامان آمدم
آب بحر رحمتش گر موجزان گردد چنین ... در نبودہ کز سر تقصیر عالم بگذرد
بباغ لطف عمیمم تو آبیاری کرد ... نموی خجالت ما و اشک شرمساری ما
پلی کہ از آب معاصی میتوان گذشت بود ... ز بار خجلت عصیان قد دوتا باشد
بجرم بیگناہی عفو او آزردہ بود از من ... گناہ خویش را آخر شفیع کار خود کردم

جیسا کہ ہم مشتاق کے مذہبی اور عرفانی افکار کے عنوان کے تحت ذکر کریں گے، مشتاق ایک صاحبدل، عارف اور درویش صفت آدمی تھا۔ اس کے باوجود درویشوں اور صاحبدلوں

[1] تاریخ کشمیر ص ۲۵۸ ٭
[2] صبح گلشن ص ۱۱۴ ٭

سے اُسے ایک خاص عقیدت تھی اور ہر درویش کی خاکِ پا اور اُن کی صحبت سے مستفید ہو جانے کو ابدی سعادت سمجھتے تھے ؎

خاکساران را چون نقشِ پای فرشِ راه شو — بر سرِ گردن کشان مشتاق چون شمشیر باش
هر کرا باشد هوای سربلندی در دماغ — گو چو نقشِ پای فرشِ راهِ هر درویش باش
دوری از نیکان مجو تا از حلاوت برخوری — چون جدا از شهد شد شیرینیٔ با موم نیست

ایک دوسرے سے رقابت و حسد اور ہمچشمی رکھنا شاعروں کا خاصہ رہا ہے لیکن مشتاق نے اکثر استادانِ سخن کو احترام سے یاد کیا ہے اور اُن کے اسلوب میں شعر کہنے اور اُن کے طرزِ سخن کے اسیر ہونے کی آرزو کی ہے ؎

شد دلِ مشتاق اسیرِ مصرعِ میرزا جلال — حیف اوقاتی که بی شغلِ محبت بگذرد
مشتاق هر که بشنود این مطلعِ بلند — چون من غلامِ صائبِ روشن گهر شود
گر آموختی مشتاق از سعدی سخن سنجی — که شیرین کام طوطی چون قلم شد از شکر خائی
خموشی کرده بودم پیشه بر رغمِ سخن سنجان — فصیحی کرد مشتاق این چنین مست غزلخوانم

مشتاق کے اخلاقی پہلو کی برجستہ ترین صفت اس کی صلح دوستی اور مرنجان مرنج سیاست تھی۔ اگرچہ حاسد شعراء اس کے اشعار پر حسد کرتے تھے ؎

کند اعجاز گو حاسد ز شعرِ آبدارِ من — چه غم آئینه را مشتاق چشمی کور اگر باشد
مدعی خفاش طینت بود چشمش کور شد — مطلعِ خورشید را سر لوحِ دیوان ساختم

اور اس کی عیب گوئی کرنے پر کوئی کسر باقی نہیں اُٹھا رکھتے تھے لیکن مشتاق اس سرد مہری کو بڑی کشادہ روئی اور فراخدلی اور صبر و تحمل سے برداشت کرتے تھے اور چین بجبین نہیں ہونے پاتے تھے۔ بلکہ شگفتہ دلی اور خندہ روئی کے ساتھ اپنی ناقدردانی کو نظرانداز کر دیتے تھے ؎

بسخن کس نمی دهد دادش — گرچه مشتاق داده دادِ سخن
گفت ای مشتاق از قحطِ سخندان غم مخور — هان تو گویا باش چشمِ نکته دان مایل است

اور اہلِ زمانے کی وضع پر جو اس پر مہربان نہ تھے شکایت کا ایک لفظ بھی زبان پر نہ لاتے تھے بلکہ اُسے ہنسی میں ٹال دیتے تھے ؎

خندان ز سرد مهریِ اهلِ زمانه ایم
چون زعفران که موسمِ سرما بهارِ اوست

Scanned with OKEN Scanner

آغازِ شعر و شاعری:

مورخ کشمیر خواجہ محمد اعظم دیدہ مری اپنی تالیف واقعاتِ کشمیر میں "محمد رضا مشتاق" کے زیرِ عنوان لکھتا ہے:-

"...... از عنفوانِ شباب بفنِ استکتاب میگذرانید و در ضمن آن کمیتِ فکر را در میدانِ طبع آزمائی میدوانید. چون طبعِ وقاد و استعدادِ خداداد داشت در اندک زمانی پایہ سخندانی و نکتہ سنجی را بمعارج ترقی رسانید ......" [۱]

مؤلفِ تاریخِ حسن کہتا ہے:-

"...... موصوف الیہ از عنفوانِ شباب در فنِ استکتاب میگذرانید و در ضمن آن کمیت فکر در میدانِ طبع آزمائی میدوانید و بزورِ طبعِ وقاد و استعدادِ خداداد در اندک زمانی رایت سخندانی افراختہ از اقرانِ دوران گوی سبقت ربود ......" [۲]

صاحبِ تاریخِ کشمیر رقمطراز ہے:-

"...... او (مشتاق) ہم از ابتدا بکتابتِ مثنوی مولوی روم بسر می برد. چون طبعِ وقاد و استعدادِ خداداد داشت در کمتر زمانی بپایہ نکتہ سنجی رسیدہ ......" [۳]

جیسا کہ اوپر کے بیانات سے واضح ہوجاتا ہے، عنفوانِ شباب سے جبکہ مشتاق نے کتابت کو اپنے لئے بطورِ پیشہ اختیار کرلیا تھا وہ شعرگوئی کی طرف مائل تھا اور کم عمری میں فطری استعداد سے سخندانی میں کمال حاصل کیا۔ مشتاق نے خود بھی عنفوانِ جوانی سے شعرگوئی کی ابتدا کی طرف اشارہ کیا ہے۔ فرماتے ہیں؎

شبی بشوقِ غزل پیچ و تاب میخوردم — ز خونِ دل قدحِ دیدہ کردہ مالامال
گہی بوصفِ خطِ سبز با قلم در جنگ — دمی بفکرِ لبِ لعل با سخن بجدال
کہ ناگہ از درِ گوشم خرد درآمد و گفت — کہ ای ہوا و ہوس را فتادہ در دنبال
بمالِ چشم و نظر کن چہا کہ بافتہ ای — برای خویشتن رسن از درازی آمال
منہ بدل بخمِ زلفِ دلبران زین بیش — مگر زبان[۴] پس ازین از نیابش خط و خال......
خجل ز روی سخن گشتم از ملامتِ عقل — کہ بود ہمدم من از شباب تا سی سال

---

۱ واقعاتِ کشمیر ص ۲۴۶ ۲ تاریخِ حسن جلد ۴ ص ۳۳ ۳ تاریخِ کشمیر ص ۲۵۸.
۴ کذا فی الاصل۔

آخری شعر میں سخن کو شباب کے زمانے سے اپنا ساتھی کہا ہے یعنی آغازِ شباب (اٹھارہ سے بیس سال تک) سے شعر گوئی کی طرف مائل ہوئے ہیں اور اس حساب سے اس کی شعر گوئی کے وقت کا ۱۰۹۱ھ — ۱۰۹۳ھ کے درمیان تعین کیا جا سکتا ہے۔

مشتاق کی شعری تلمیذ کے بارے میں کوئی اطلاع حاصل نہیں اور اس نے خود بھی اپنے اشعار میں اس چیز کی طرف کوئی اشارہ نہیں کیا ہے۔ تذکرہ نویس اور مشتاق کے ہمعصر بھی اس سلسلے میں خاموش ہیں لیکن مشتاق کے اشعار میں جیسا کہ ہم نے اوپر ذکر کیا ہے چند استادانِ سخن کا نام آ گیا ہے اور ان کی پیروی میں شعر بھی کہے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مشتاق نے فصیحی ہروی[1] اور جلال اسیر[2] اور صائب تبریزی[3] جیسے شعرا کے ایک خاص مکتب کا تتبع کیا ہے لیکن چونکہ یہ اساتذہ مشتاق سے کوئی ایک سو سال پہلے گذر چکے ہیں اس لئے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ان میں سے کوئی مشتاق کا استاد رہا ہو۔ مشتاق نے اپنے ایک شعر میں میرزا جعفر نامی ایک شخص کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ اسی کی تشویق سے شعر کہتا تھا ؎

کی دماغ شعر گفتن داشت مشتاق حزین | شوقِ میرزا جعفرش زینسان غزلخوانش کند

مشتاق کے زمانے میں اسی نام کے دو آدمی کشمیر میں رہتے تھے اور دونوں صاحبِ اقتدار اور اثر و رسوخ کے مالک تھے ایک جعفر خان اور دوسرا میرزا جعفر کنتھ۔ جعفر خان غیر کشمیری تھا جو اورنگ زیب کے بیٹے شاہ عالم (۱۱۱۹ — ۱۱۲۴ھ) کی طرف سے کشمیر کا گورنر مقرر (۱۱۱۹ھ) ہوا تھا۔ جعفر خان کی کشمیر میں حکومت کا عرصہ ایک سال اور تین ماہ تھا اور اس عرصے میں اس نے ظلم و جور کا بازار گرم رکھا جس کے نتیجے میں لوگ سخت پریشان ہوئے۔

---

[2] جلال اسیر (۱۰۲۹ھ — ۱۰۶۹ھ) اصفہان کے سادات میں سے تھا اور شاہ عباس ثانی (۱۰۵۲ — ۱۰۷۷ھ) کا ہمعصر اور میرزا صائب تبریزی کا ہم طرح تھا۔ اس کے اشعار دقتِ خیال، دقیق ترکیبوں اور نازک و نئے مضامین کے استعمال کی وجہ سے معروف ہیں اور اسی وجہ سے بارہویں صدی کے اوایل کے بعد ہندوستان میں سبک ہندی کے طرفداروں نے اس کے اسلوب کی پیروی کی۔ گو فصیحی ہروی سے تلمیذ حاصل رہا ہے لیکن صائب سے بڑی عقیدت تھی چنانچہ کہتا ہے ؎

باوجود آنکہ استادم فصیحی بودہ است ٭ مصرعِ صائب تواند کتابِ من شود

ملاحظہ ہو: مخزن الغرایب۔ صحف ابراہیم۔ ریاض الشعرا۔ سرو آزاد۔ گنج سخن ج ۲ ٭

[3] صائب تبریزی (۱۰۱۶ — ۱۰۸۱ھ) تحصیلات و فنونِ شاعری سے آگاہ ہونے کے بعد حکیم رکنا کاشی اور حکیم شفائی کے توسط سے شاہ عباس کے دربار میں رسائی پائی۔ شاہ جہان (۱۰۳۷ — ۱۰۶۸ھ) کے عہدِ سلطنت میں ہندوستان چلا آیا اور کچھ عرصہ کے بعد ایران واپس چلا گیا اور شاہ عباس ثانی کے دربار کا ملک الشعرا ہو گیا۔ صائب کا کلام متین اور فصاحت سے مملو ہونے کے علاوہ پُر معنی اور دقیق مضامین اور باریک و لطیف خیالات کا ترجمان ہے۔ ملاحظہ ہو:

[illegible]

اور انہوں نے شاہی دربار میں شکایت کی۔ اسی اثنا میں وہ کافی شراب پینے کی وجہ سے وفات[1] پاگیا (۱۱۲۱ھ)۔ اس قلیل مدت میں ہمارے شاعر اور گورنر مذکور کے درمیان روابط کا دوستی کی حد تک پیدا ہوجانا اور خصوصاً جبکہ مشتاق حکام و امراء کی مصاحبت سے دور رہتا تھا بعید از امکان نظر آتا ہے اور وہ دلائل بھی موجود نہیں جن سے گورنر مذکور کے شعر سے دلچسپی ہونے کا گمان کیا جاسکے۔

میر یا میرزا جعفر کنٹ کشمیر کے حکام کا ایک معروف مصاحب اور درباری تھا۔ اپنی عمر کے آخری سال اول میں وہ شاہی دربار کی طرف سے کشمیر میں متعین کئے گئے حکام کے خلاف جنگوں میں مشغول رہا۔ میرزا جعفر کنٹ جو کشمیری نسل تھا مغلیہ گورنروں کے کشمیر میں ظلم و ستم کو رواج دینے کو برداشت نہیں کرتا تھا اور باوجود اس کے کہ وہ خود ان ہی حکام کے درباروں سے وابستہ تھا اُن کے خلاف صف آرا ہوا اور لڑائیاں لڑیں۔ ابوالبرکات خان[2] نامی مغلیہ حاکم کشمیر کے زمانے میں وہ سپہ سالار ہوگیا اور مظفرآباد[3] کے باغیوں کی سرکوبی کے لئے نامزد ہوا اور وہاں سے مظفر و منصور ہوکر لوٹا۔ اور جب ابوالبرکات خان نے اپنی آمرانہ اور ظالمانہ پالیسی کو فروغ دیا تو میرزا جعفر نے اس کے خلاف شورش کی اور اس کے خلاف جنگ کرکے اُسے کشمیر سے نکالدیا۔ بالآخر فخر الدولہ بہادر مغلیہ حاکم کشمیر کے زمان حکومت (۱۱۵۰ھ-۱۱۵۱) میں میرزا جعفر مغلوب ہوکر کوہِ پہامہ[4] کی طرف جہاں اس کی زراعت گاہ تھی، بھاگ گیا[5]

میرزا جعفر کے ابوالبرکات خان کے دربار سے وابستہ ہونے کی بنا پر گمان ہوتا ہے کہ ابوالبرکات خان فارسی شعر سے دلچسپی رکھتا تھا کیونکہ خان مذکور کے ہم عصر شاعر اور تذکرہ نویس خواجہ محمد اعظم کے بقول ابوالبرکات خان شاعر بھی تھا۔ خواجہ محمد اعظم، ابوالبرکات خان کے بارے میں لکھتا ہے ؎

"...... در حدت فہم و فطانت و سُرعتِ ادراک و جیائی چشم و مروّت و امتیاز خویش و بیگانہ و سواد انشا و املا و حُسنِ خط از اقران بلکہ از اکثر اعیان مستثنیٰ بود۔ شعر خوب میگفت و صوفی تخلص میکرد......"[6]

---

[1] واقعات کشمیر ص ۲۱۱۔ تاریخ حسن ج ۲ ص ۵۵۹-۵۶۰ ؛ [2] ابوالبرکات خان۔ محمد شاہ شاہنشاہ ہندوستان کے عہد سلطنت (۱۱۳۰-۱۱۶۱ھ) میں پادشاہ مذکور کی طرف سے پانچ بار کشمیر کا گورنر مقرر ہوا۔ یعنی ۱۱۳۴ھ میں پہلی بار، دوسری بار ۱۱۳۸ھ میں، تیسری بار ۱۱۴۱ھ میں، چوتھی بار ۱۱۴۴ھ میں اور پانچویں بار ۱۱۵۴ھ میں۔ کشمیر کے لوگ اس کے ظلم و ستم سے تنگ آکر میرزا جعفر کنت کی رہنمائی میں اس کے خلاف بغاوت پہ آمادہ ہوگئے اور اس کو لاہور کی طرف بھگا دیا۔ ابوالبرکات خان نے ۱۱۵۸ھ میں وفات پائی۔ ملاحظہ ہو: واقعات کشمیر ص ۲۳۴ سے ص ۲۵۸ تک ؛ تاریخ حسن ج ۲ ص ۲۵۲ سے ۶۱۷ تک ؛ [3] مظفرآباد دار الخلافہ ہے آزاد کشمیر کا جو آج کل پاکستان کے قبضے میں ہے ؛ [4] کشمیر کے شمال مشرقی علاقے میں ایک گاؤں کا نام ؛ [5] واقعاتِ کشمیر ص ۲۵۰۔ تاریخ حسن ج ۲ ص ۵۹۲ ؛ [6] واقعاتِ کشمیر ص ۲۵۸ ؛

تاریخ حسن کا مؤلف لکھتا ہے :۔

"ابوالبرکات خان ...... مردی صاحب فطرت و مروت و مدبر و منصف مزاج بود۔ در املا و انشا و شعر و سخن و حسن خط و خدمت فقرا و مشائخ بر اقران خود فوقیت داشت۔ از طبع زاد اوست ۔

صوفی سخن تازه و رنگین دارم سر مشق خطی زیاده دیرین دارم
از طرز کلام من سخن میریزد فرهاد بیا که حرف شیرین دارم[۱]

چونکہ میرزا جعفر ابوالبرکات خان کے درباری مصاحبوں میں سے تھا اور ادیب کے بیان کے مطابق خان مذکور کو ان پر فن شعر میں فوقیت حاصل تھی اس لئے ظاہر ہو جاتا ہے کہ میرزا جعفر کو بھی شاعری سے ایک خاص انس رہا ہوگا لیکن افسوس ہے کہ وہ وسایل موجود نہیں جن سے میرزا جعفر کے اشعار کا پتہ لگایا جا سکے بہرحال یہ بات مسلّم ہے کہ میرزا جعفر نے مشتاق کی شعر گوئی کی شہرت سن کر اس کے ساتھ دوستانہ روابط قائم کئے ہیں اور شاید اسی کے ایماء پر مشتاق جو مدحیہ قصاید کی طرف راغب تھا غزل گوئی کی طرف متوجہ ہوا ہے لیکن میرزا جعفر اور مشتاق کے روابط کسی بھی صورت میں استاد اور شاگرد کے سے روابط نہیں تھے کیونکہ اول تو خود مشتاق نے اس امر کی طرف اپنے اشعار میں کہیں اشارہ نہیں کیا ہے۔ دوسرے یہ کہ میرزا جعفر کسی رتبے کا شاعر بھی نہیں تھا۔ نیز اس شعر سے جس میں میرزا جعفر کا ذکر آگیا ہے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے تو صرف مشتاق کو غزل گوئی کی طرف راغب کر لیا تھا اور اسی وجہ سے ان کے درمیان دوستانہ روابط قائم ہو گئے تھے نہ کہ استاد شاگرد کے روابط۔

اگرچہ مشتاق نے اپنی ہی طبعی استعداد سے استفادہ و فیض حاصل کرنے کی طرف اشارہ کیا ہے ۔

فروغ گوہر خویشم چو مہر از جبہہ مینا بد نباشد چون چراغ از روغن دیگر کسان نورم

لیکن ایک شاعر کا جس نے صغر سنی میں شعر کہنے شروع کئے ہوں کسی استاد سخن کے آگے زانوئ تلمذ تہہ نہ کرنا بعید از امکان نظر آتا ہے اور مشتاق کا یہ دعویٰ ایک شاعرانہ تعلّی ہے کہ اس کے سخن کا چراغ کسی دوسرے کے نور کا مرہونِ منت نہیں۔ لیکن افسوس ہے کہ مقامی تذکروں یا خود مشتاق کے اشعار میں کہیں پتہ نہیں چلتا کہ اس کا استاد کون تھا۔

وفات :

مشتاق کے سالِ وفات کے بارے میں سبھی تذکرہ نگاروں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اس کی وفات سال ۱۱۴۳ھ میں ہوئی۔ خواجہ اعظم دیدہ مری نے واقعاتِ کشمیر میں لکھا ہے :۔

---

[۱] تاریخ حسن ج ۲ ص ۶۱۷

"...... در سال ہزار و یکصد و چہل و سہ رحلت فرمود. و در تاریخ او تعمیہ گفتہ اند:

"شاہ مشتاق از سرِ دنیا گذشت" [۱]

سفینۂ ہندی کے مؤلف نے لکھا ہے:

"...... در سنہ ہزار و صد و چہل و سہ فوت کرد۔" قبر مشتاق است" بر لوحِ مزارش کندہ اند..." [۲]

مؤلفِ تاریخ حسن نے اس کے سالِ وفات کو اس طرح بیان کیا ہے:

"...... در ۱۱۵۱ھ رحلت گزید۔ تاریخ: شاہ مشتاق از سرِ دنیا گذشت" [۳]

اس مصرعے سے سال ۱۱۴۳ھ نکلتا ہے نہ کہ ۱۱۵۱ھ، جو غلط ہے۔ [۴]

غرض مشتاق نے سال ۱۱۴۳ھ میں وفات پائی اور سری نگر (دارالخلافۂ کشمیر) میں مدفون ہوئے۔

آثار:

مشتاق کا ایک دیوان شعر یادگار رہا ہے۔ اس دیوان کا ایک قلمی نسخہ تہران یونیورسٹی کے مرکزی کتاب خانے میں شمارہ ۲۹۳۵ کے تحت موجود ہے جس میں مدحیہ قصائد اور غزلیات اور رباعیات اور مخمس اور ایک مثنوی ہے۔ [۵]

حکومتِ کشمیر کے ادارۂ تحقیق و اشاعت (سری نگر) میں دو قلمی نسخے ۳۶ اور ۲۸ کے شماروں کے تحت موجود ہیں۔ مثنوی ان دونوں نسخوں میں نہیں ہے اور وہ ایک علیحدہ قلمی نسخے کی صورت میں اسی ادارے میں محفوظ ہے۔

اسپرنگر نے بھی اپنی فہرست میں دیوانِ مشتاق کا ذکر کیا ہے جو موتی محل کتاب خانے میں شمارہ ۳۹۲ کے تحت موجود ہے لیکن اس دیوان میں صرف منتخب غزلیں موجود ہیں۔ [۶]

---

[۱] واقعاتِ کشمیر ص ۲۴۶ [۲] سفینۂ ہندی ص ۸۲ ؛ [۳] تاریخ حسن ج ۴ ص ۲۵ ؛ [۴] جب شاہ مشتاق (۱۱۴۷ھ) سے سرِ دنیا (یعنی "د" جو ابجدی حساب سے ۴ کے برابر ہے) کم کریں تو ۱۱۴۳ھ باقی رہ جاتا ہے ؛ [۵] اوزبکستان کی سائنس اکاڈمی (اکادمی علوم) کے کتاب خانے میں موجود قلمی نسخوں کی فہرست میں مشتاق کے ہاتھ سے لکھا ہوا ۳۲۸ صفحات پر مشتمل مختلف شعرا کے کلام کا انتخاب ایک قلمی نسخے کی صورت میں موجود ہے جس پر ۲۰ ذی الحجہ ۱۱۳۶ھ تاریخ کتابت درج ہے۔ ملاحظہ ہو: COLLECTION OF MANUSCRIPTS, UZBEKISTAN, VOL II P. 37

[۵] ملاحظہ ہو فہرست نسخ خطی کتابخانۂ مرکزی دانش گاہ۔ تہران ج ۱۰ ص ۱۸۱۰ ؛

[۶] ملاحظہ ہو: A CATALOGUE OF THE ARABIC, PERSIAN & HINDUSTANI MANUSCRIPTS, BY A. SPRENGER: NUMBER 392.

اوپر کے تین قلمی نسخوں کی مشخصات یوں ہیں:-

۱۔ دیوانِ مشتاق جو ادارۂ تحقیق و اشاعت حکومتِ کشمیر کے کتاب خانے میں شمارہ ۳۷ کے تحت موجود ہے:

جدول زر۔ خط نستعلیق۔ نقاشی کی ہوئی مجلس کی چار تصویریں۔ ۱۴ سطر۔ کاغذ صفاہانی۔

جلد چرمی۔ حجم کتاب ۶ × ۹/۵

حجم متن ۸/۳ × ۷۔ تعداد صفحات ۳۱۸۔ تاریخ کتابت موجود نہیں۔ تعداد غزلیات: ۶۷۲

رباعی چار۔ مخمس ۳ ؞

۲۔ دیوان مشتاق جو ادارۂ تحقیق و اشاعت حکومتِ کشمیر کے کتاب خانے میں شمارہ ۳۸ کے تحت موجود ہے:-

خط نستعلیق۔ کاغذ صفاہانی۔ جلد چرمی۔ تعداد سطر ۱۵۔ حجم کتاب ۸/۶ × ۸/۱۰۔ حجم متن ۴۴×۴

تعداد صفحات ۳۴۴۔ عنوان میں تاریخ کتابت ۱۲۸۱ھ درج ہے۔ تعداد غزلیات ۷۴۶ -

تعداد قطعات ۲ - رباعیات ۳۰ مخمس ۳ ؞

۳۔ دیوانِ مشتاق جو تہران یونیورسٹی کے مرکزی کتاب خانے میں ۲۹۳۵ کے شمارے کے تحت موجود ہے

خط نستعلیق۔ جدول زر لاجورد۔ نقاشی کی ہوئی مجلس کی چار تصویر بصورت تصاویر۔ تاریخ کتابت

موجود نہیں۔ ۱۴ سطر۔ ۷ × ۱۶ ۱۳ × ۲۲۔ کاغذ صفاہانی۔ جلد قہوہ رنگ تیماجی ضربی مقوائی۔

تعداد غزلیات ۶۸۰ - رباعی ۲۰۔ مخمس ۲۔ قصائد ۲۳۔ مثنوی ۱ ؞

دیوان شعر کے علاوہ مشتاق* کے کسی دوسرے منظوم یا منثور اثر کی کوئی اطلاع نہیں۔ کشمیری یا دیگر تذکرہ نگاروں نے مشتاق کے صرف ایک دیوان شعر کے علاوہ کسی اور اثر کا ذکر نہیں کیا ہے اور غالب گمان یہی ہے کہ اس کا بس یہی ایک اثر دیوان کی صورت میں باقی ہے [۵۱] ؞ (باقی)

* نوٹ: (جس میں مثنوی بھی شامل ہے)

---

[۵۱] حاشیہ صفحہ ۴۶ پر زیر نمبر ۵